



انوکھی دکان

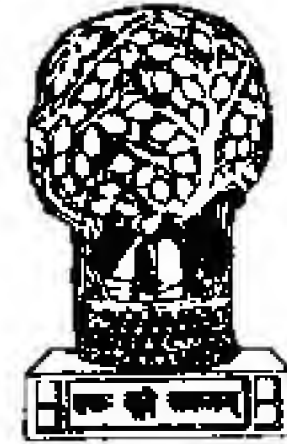


ڈاکٹر ذاکر حسین کی یاد میں — ۲

انوکھی دُکان

اور
مُنتی کی مانو

قدسیہ زیدی



نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا
نئی دہلی

ماچ ۱۹۷۱ء (چتر ۱۸۹۳)

© کرنل بشیر حسین زیدی

قیمت :- ۲/۵۰

ANOKHI DUKAN
(URDU)

تقسیم کار

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

سکرٹری نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا نے برٹی آرٹ پریس
(پروپرائٹر مکتبہ جامعہ لمیٹڈ) دریا گنج دہلی سے چھپوا کر شایع کیا۔

”تم ذہا بیٹھو تو میں بات کروں“ بیرم نے ایک خالی
 کرسی خیرو کی طرف بڑھادی۔ جب خیرو اُس پر آرام سے
 بیٹھ گیا۔ تو بیرم نے یوں بات شروع کی: ”بھئی میں
 بہت دنوں سے سوچ رہا تھا کہ کچھ کار و بار شروع
 کروں۔ روپیہ تو میرے پاس کافی ہے۔ اس سے ایک
 بڑی دکان چل سکتی ہے۔ لیکن یہ کام میرے اکیلے
 کے بس کا نہیں۔ ایک ہاتھ بٹانے والا ضرور ہونا چاہئے
 جو پارسل باندھے اور دکان کی صفائی وغیرہ کرتا رہے“
 دکان کا نام سن کر خیرو خوشی سے اُچھل پڑا اور
 بولا: ”بھئی خوب سوچھی، نیکی اور پوچھ پوچھ میں تو ہمیشہ
 سے تجارت کے حق میں ہوں۔ میرے خیال میں تو ترکاری

کی دکان سے بہتر کوئی کار و بار ہی نہیں - اور رہا کام کرنے والے کا سوال، تو بھئی یہ تو ساجھے کی دکان ہوگی میں اور تم مل کر کام کر لیا کریں گے۔ جب میں کام کیا کروں تو تم سولیا کرو اور جب ٹھاری کام کی باری ہوگی تو میں آنکھ جھپکا لیا کروں گا۔“

اس بات پر دونوں راضی ہو گئے۔ اب یہ سوال پیدا ہوا کہ کاسے کی دکان ہو اور کہاں ہو۔ بیرم نے کہا: ”خیر صرف ترکاری کی دکان تو کچھ اچھی نہیں رہے گی۔ کیوں کہ ترکاری کی دکان پر کبھی زیادہ رونق نہیں ہوتی۔ میرے خیال میں تو ہماری دکان میں سبھی قسم کی کھانے پینے کی چیزیں ہونا چاہئیں۔ اور شہد تو ہم ضرور ہی رکھیں گے

کیوں کہ ہماری بستی کے رہنے والوں کو شہد کی ضرورت
بہت پڑتی رہتی ہے۔ اور بھی شہد ہی ایک ایسی چیز ہے
جو دوائی بھی ہے اور مٹھائی بھی۔ ہمارے حکیم جی بھی اپنے
نسخے میں اکثر شہد لکھتے ہیں۔“

خیرو یہ سُن کر بیرم کی سمجھ بوجھ کا قائل ہو گیا اور
بولا: ”بھئی میرا تو اس طرف خیال ہی نہیں گیا تھا۔ تم
ٹھیک کہتے ہو ہم اپنی دکان میں ہر قسم کی کھانے پینے
کی چیزیں رکھیں گے۔ مگر بیرم یہ دکان ہم کھولیں گے کہاں
میرا اور تمہارا گھر تو اس قابل ہے نہیں؟“

دونوں گہری سوچ میں پڑ گئے۔ یکایک بیرم خوش ہو کر
بولا: ”خیرو خوب یاد آیا، بی لومڑی کے چھ سات گھر ہیں

ہم اُن میں سے ایک گھر کرائے پر لے لیں گے اور ہر
مہینے کی پہلی تاریخ کرایہ ادا کر دیا کریں گے۔ بس پھر کیا
تھا دونوں لومڑی کے گھر کی طرف روانہ ہوئے، وہاں
پہنچ کر دروازہ کھٹ کھٹایا تو لومڑی کے بچے نے کھڑکی سے
مُنہ نکال کر کہا: ”بی اماں تو باہر گئیں ہیں، ابھی آتی ہوں گی،
آپ ہال کمرے میں آکر بیٹھ جائیے“ یہ دونوں اندر جا کر آرام
سے بیٹھ گئے اور لومڑی کی راہ دیکھنے لگے۔ دس پندرہ
منٹ کے بعد بی لومڑی آگئیں۔ مُنہ میں ایک مَرغی پکڑ
رکھی تھی۔ سانس پھولا ہوا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بہت
تیزی سے بھاگ کر آئی ہیں۔ لومڑی نے جب ان دونوں کو
بیٹھے دیکھا تو کچھ جھینپ سی گئی۔ مَرغی کو فرش پر رکھتے

ہوئے بولی : ”آہا ! آپ ہیں کہتے کیسے آنا ہوا ؟ تم بیٹھو میں ابھی
آئی ذرا یہ مرغی باورچی خانے میں رکھ آؤں“

مرغی رکھ کر واپس آئی تو بولی : ”بچوں کا دل آج مرغی
کے کباب کھانے کو چاہ رہا تھا۔ ان کے لئے یہ مرغی دس
آنے میں خرید کر لائی ہوں۔ آپ یہ خیال نہ کریں کہ کہیں
سے یوں ہی اُٹھا لائی ہوں“ یہ سن کر بیرم اور خیرو ایک
دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔ انھیں خوب معلوم تھا
کہ لومڑی مرغی کہاں سے لائی ہے۔ خیرو کی تو کچھ سمجھ
میں نہ آیا کہ کیا کہے مگر بیرم تھا ہوشیار، فوراً بولا : ”توبہ !
توبہ ! کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ ہم تمہارے بارے میں اس
قسم کا خیال بھی دل میں لائیں۔ تمہیں تو سارا گاؤں جانتا

ہے لومڑی نے اپنی تعریف جو سُنی تو خوش ہو کر بولی :
 ”تمھارا شکریہ - کہو میں تمھاری کیا خدمت کروں؟“ بیرم نے
 لومڑی کو دُکان کھولنے کی ساری تجویز بتائی جس پر لومڑی
 بولی ”یہ تو بہت کام کی بات بتائی - دُکان کے کھُلنے سے
 تم دونوں کے دوستوں کو بہت آسانی ہو جائے گی۔“
 خیرو نے کہا: ”دوستوں کے لئے تو ہم یہ دُکان کھول
 ہی رہے ہیں۔“

بیرم بولا: ”جس خاص بات کے لئے ہم آئے تھے وہ
 تو ہم نے تم سے پوچھی ہی نہیں، وہ جو چوہیا روڈ پر
 تمھارا پانچ نمبر کا مکان ہے نا، جس میں بڑی بڑی شیشے دار

کھڑکیوں کی بیٹھک ہے وہ تم ہمیں کرائے پر دے دو۔“
 خیرو جھٹ بول اٹھا: ”اور کرایہ میں ہر مہینے کی پہلی
 تاریخ کو خود پہنچا دیا کروں گا۔“ لومڑی یہ سن کر کسی گہری
 سوچ میں پڑ گئی۔ اور کچھ دیر کے بعد بولی ”مکان تو خالی
 ہے تم بڑی خوشی سے وہاں دکان لگا لو مگر بھتی میں تم
 دونوں سے کرایہ لوں، یہ مجھ سے نہ ہوگا۔ میں دوستی میں
 اس قسم کی بات کو ٹھیک نہیں سمجھتی۔ جو میرا ہے وہ آپ
 کا ہے اور جو آپ کا ہے وہ.....“ اتنا کہہ کر لومڑی کچھ
 کہتے کہتے رُک گئی۔

خیرو نے کہا: ”بیشک بیشک ہمیں تم سے یہی اُمید تھی
 اور دوستی ہے بھی اسی کا نام، وہ دوست ہی کیا جو ضرورت

کے وقت دوست کے کام نہ آسکے۔“

بیرم نے کہا: ”تو بی لومڑی لائیے اس گھر کی چابی ہمیں دے دیجئے۔“ لومڑی نے اندر کے کمرے سے

چابی لاکر بیرم کو دے دی۔ یہ دونوں چابی لے کر خوشی خوشی اپنے گھر آئے بیرم نے خیرو سے کہا: ”خیرو یہ ترکاری کا تھیلا تم گھر پہنچا آؤ، تمہارے بیوی بچے تمہاری باٹ دیکھ رہے ہوں گے۔ جب تم لوٹ آؤ گے تو ہم دونوں چل کر گھر دیکھ لیں گے اور اگر صفائی کی ضرورت ہوئی تو وہ بھی کر کے کل تک دکان بالکل تیار کر لیں گے۔“

خیرو تھیلا ہاتھ میں لے کر جلدی جلدی قدم بڑھاتا گھر کی طرف روانہ ہوا۔ بیرم اس بھاگ دوڑ میں ذرا

تھک سا گیا تھا اور کچھ بھوک سی لگ رہی تھی۔ گھر
 پہنچتے ہی اُس نے شہد کا مرتبان کھولا اور شہد نکال کر
 چاٹنے لگا۔ پھر رومال سے مُنہ ہاتھ پونچھ کر کپڑے بدلے
 اور چلنے کو تیار ہو گیا۔ دروازے سے باہر نکلا ہی تھا کہ
 خیرو آگیا اور دونوں مل کر چوہیا روڈ کی طرف روانہ ہو گئے
 پانچ نمبر مکان پر پہنچے اور دروازہ کھول کر اندر گئے تو دیکھا
 کہ بہت کوڑا کباڑ پھیلا ہوا ہے، جگہ جگہ پرندوں کے پر
 پڑے ہیں کہیں کہیں ہڈیوں کے ڈھیر لگے ہیں۔
 بیرم نے کہا: ”خیرو مجھے تو ڈر لگتا ہے۔ میں تو اس
 مکان میں اپنی دکان نہیں لگاؤں گا۔“
 خیرو نے پوچھا: ”کیوں کیا بات ہے، کیا اس کوڑے

مرکٹ سے ڈر گئے؟ تم گھبراؤ نہیں، میں اسے ابھی صاف
کئے دیتا ہوں۔“

بیرم نے کہا: ”نہیں نہیں، میں اس سے تو نہیں گھبرایا
مگر میرا خیال ہے کہ یہ پر اور ہڈیاں ان پرندوں کی ہیں
جو لومڑی چڑا چڑا کر لاتی ہے اور یہاں چھپ کر چٹ کر جاتی
ہے۔ اگر یہ چوٹی ہے تو بھئی کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری
ڈکان سے بھی چیزیں چُرانا شروع کر دے۔“

خیرو بولا: ”نہیں بیرم! میرا خیال ہے کہ وہ ہمارے ساتھ
ایسا نہیں کرے گی۔ ہماری اُس کی دوستی تو بہت پرانی
ہے۔ اور اگر یہ بات ہوتی تو وہ اتنی جلدی اپنا اتنا بڑا
مکان ہمیں مُفت دینے پر کیسے تیار ہو جاتی۔ دوسرے یہ کہ

ہم جو دکان میں موجود ہوں گے ہمارے یہاں ہوتے
ہوئے وہ کیسے چڑا سکتی ہے؟“

بیرم نے کہا: ”ممكن ہے ٹھارا ہی خیال ٹھیک ہو
اچھا تو اب چلو جلدی سے صفائی کریں تاکہ کل منڈی
سے چیزیں لاکر دکان ٹھیک کر لیں۔ تم جھاڑو دو، میں
کھڑکیوں اور دروازوں کے شیشے صاف کرتا ہوں، پھر
تم جالے اُتار لینا۔“

خیر و جھاڑو دینے لگا، بیرم نے شیشے صاف کئے اور
آرام سے بیٹھ کر اونگھنے لگا۔ جب خیر و صفائی کر چکا تو بیرم
کو جگایا اور دونوں اپنے اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔
دوسرے دن صبح سویرے دونوں جا کر منڈی سے چیزیں

لاتے اور دکان میں سجانا شروع کر دیں۔ وہ ابھی مرتبان
 اور ڈبے سجاہی رہے تھے کہ بی لومڑی آن دھکیں اور
 بولیں: ”اُفّوہ! مٹھاری دکان تو بہت اچھی ہے، اسے دیکھ کر
 میرا دل بہت خوش ہوا، مگر ایک بات ہے اس دکان
 میں تم نے مرغیاں اور بطنیں تو رکھی ہی نہیں۔ یہ چیزیں
 ضرور رکھنا۔ اکثر خریدنے والے یہی چیزیں خریدیں گے۔ اور
 ہاں کچھ انڈے بھی رکھ لو تو بہت اچھا ہوگا۔“
 بیرم اور خیرو نے سوچا کہ لومڑی بات تو ٹھیک
 کہہ رہی ہے۔ جب وہ چلی گئی تو خیرو بولا: ”کیوں میں
 نہ کہتا تھا کہ لومڑی ہماری دوست ہے۔ دیکھو تو کیسی
 اچھی بات بتا کر گئی ہے۔“

بیرم نے کہا: ”اچھا خیرو تم تو منڈی سے کچھ مرغیاں
بطخیں اور انڈے لے آؤ۔ میں ان چیزوں کے رکھنے کا
انتظام کرتا ہوں۔“

خیرو جلدی سے جا کر یہ سب چیزیں لے آیا۔
بیرم نے انڈے ایک ٹوکری میں رکھ دیئے تاکہ
خریداروں کو نظر آتے رہیں۔ اور پاس ہی ایک جالی
کے ڈربے میں مرغیاں اور بطخیں بند کر دیں۔ ایک پیالے
میں پانی رکھ کر کچھ دانہ اُن کے سامنے ڈال دیا۔ تھوڑی دیر
کے اندر اندر سارے بن بے میں یہ خبر پھیل گئی کہ
خیرو اور بیرم نے مل کر ایک بہت بڑی دکان کھولی
ہے۔ بس پھر کیا تھا، بیرم اور خیرو کے سب دوست

دُکان دیکھنے اور خیر و برکت کو مبارک باد دینے کے
لئے آنے لگے۔ دوستوں کے ساتھ ان کی بیویاں اور بچے
بھی آئے۔ تم جانو بیویوں کی بات کہ اگر کسی دُکان
میں انھیں کوئی اچھی چیز نظر آجائے تو ضرورت ہو یا
نہ ہو، اُسے ضرور خرید لیں گی۔ چنانچہ چوہیوں، خرگوشنیوں
اور گلہریوں نے خوب چیزیں خریدیں۔ چوں کہ صرف دُکان
دیکھنے اور مبارک باد دینے آئیں تھیں، جلدی میں بٹوے
لانا بھول گئیں تھیں اس لئے اگلے مہینے کی پہلی تاریخ
کو دام دینے کا وعدہ کر کے سب نے خوب چیزیں
خریدیں۔ ماؤں کو خریدتے ہوئے دیکھ کر بچوں نے بھی
چیزیں مانگنا اور رونا شروع کیا اور ساری دُکان کو

سر پر اٹھا لیا۔ اُن کو پہلانے اور چُپ کرنے کے لئے
 بیرم اور خیرو نے مُٹھیاں بھر بھر کر کھٹی میٹھی گولیاں دینا
 شروع کر دیں۔ اس وقت بیرم، خیرو اور سب بستی والے
 خوش تھے۔ جب یہ سب چلے گئے اور صرف خیرو اور
 بیرم رہ گئے تو بیرم نے کہا: ”خیرو مجھے تو بھوک لگ
 رہی ہے تم یہاں رُو کو تو میں گھر جا کر کچھ کھا آؤں۔“
 خیرو نے کہا: ”بھوک تو مجھے بھی لگ رہی ہے چلو دکان
 تھوڑی دیر کو بند کر دیں اور دونوں اپنے اپنے گھر جا کر
 کھانا کھا آئیں۔“

بیرم کسی گہری سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بولا: ”بھئی خیرو میں
 بتاؤں ایک بات۔ مجھے بھی بعض دفعہ ایسی سوچتی ہے کہ

اپنی عقلندی پر خود حیرت ہونے لگتی ہے۔ کیوں نہ ہم
دونوں اپنی دکان ہی میں سے ٹھوڑی ٹھوڑی چیزیں کھا
لیا کریں اس طرح وقت بھی بچے گا اور خرچ بھی کم
ہوگا۔ پھر دکان بند کرنے کی بھی ضرورت نہ رہے گی۔
خیرو کا منہ خوشی سے چمک اٹھا اور بولا: ”تم تو
واقعی بہت ہوشیار نکلتے“ دونوں نے ساتھ بیٹھ کر کھانا
کھایا اور پھر کام کاج میں لگ گئے۔

چند دن کے اندر ہی اندر کام بہت بڑھ گیا،
تمام دن دکان میں بھیڑ لگی رہتی اور ہر تیسرے چوتھے
روز دکان کا سامان ختم ہو جاتا اور خیرو جا کر منڈی
سے اور سامان خرید لاتا۔ یہ دونوں شروع شروع میں

بہت خوش تھے مگر تھوڑے دن کے بعد انہیں کچھ
تھکن سی محسوس ہونے لگی۔

ایک دن شام کو صندوقچی کھول کر دیکھا تو پیسے
بہت کم نکلے۔ دونوں بہت سٹپٹائے۔ ان کی سمجھ میں
نہ آتا تھا کہ دکان کی چیزیں کہاں گئیں۔ بیرم کو بہت
غصہ آ رہا تھا۔ خیرو وہاں سے اُٹھ کر کسی کام کو چلا
گیا تھا۔ بیرم نے اُسے کڑی آواز میں ”پکارا“ ”خیرو!
ادھر آؤ“ خیرو آواز سُنتے ہی جلدی جلدی مُنہ پوچھتا ہوا
آیا۔ بیرم نے کہا: ”کہاں گئے تھے تم؟“ خیرو نے کہا اتنے
تھوڑے سے پیسے دیکھ کر میرا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ تھوڑی
سی گوبھی کھانے گیا تھا“ بیرم نے کہا: ”خیرو تم بیٹھ جاؤ

اور جو کچھ میں تم سے پوچھوں اُس کا ٹھیک ٹھیک جواب
دیتے جاؤ۔ کل جو مٹر اور گاجریں منڈی سے آئی تھیں
وہ تم نے کس کے ہاتھ بیچیں؟ خیرو نے ہکلاتے ہوئے
کہا: ”وہ گا.... گا.... گاجریں تو میں....“ اور یہ کہتے کہتے وہ
پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

بیرم نے کہا: ”اس میں رونے کی کیا بات ہے۔
میں تو حساب ٹھیک کر رہا ہوں۔ اچھا یہ تو ہوا گاجروں
کا حساب، پر وہ مرغیاں اور اندھے بھی تو نظر نہیں
آتے؟“

خیرو نے کہا: ”وہ تو بومڑی قرض لے گئی، ہر
دوسرے تیسرے روز دوپہر کے وقت جب تم سو جاتے

ہو تو وہ آکر ایک مرغی اور کچھ انڈے لے جاتی
 ہے۔ اگر میں دینے سے انکار کرتا ہوں تو فوراً بڑے
 بڑے پنچے نکال کر کہتی ہے۔ ”میں مفت تو نہیں مانگ
 رہی ہوں۔ قرض لئے جاتی ہوں۔ اگلے مہینے کی پہلی
 تاریخ رقم دے دوں گی اور دوسرے تم اس مکان
 کا کرایہ بھی تو نہیں دیتے۔ اگر میں ایک آدھ مرغی
 تمہارے بھانجی بھانجوں کے لئے یہاں سے لے بھی جاؤں
 تو یہ کونسی ایسی بڑی بات ہے۔ میں تو بھتی یہ سمجھتی
 ہوں کہ جو چیز میری ہے وہ آپ کی اور جو آپ
 کی ہے وہ..... خیر ایسی بات کہنے سے کیا فائدہ۔ لاؤ
 جلدی سے ایک مرغی اور چار انڈے میرے تھیلے میں

ڈال دو۔ دیکھنا مُرغی کی گردن زور سے دبا لینا کہیں
ایسا نہ ہو اُس کی چیخ پکار سے بچارے بیرم کی
نیند خراب ہو جائے۔“ اب تم ہی بتاؤ کہ میں انکار
کیسے کر سکتا تھا؟“

بیرم خیرو کی بات سُن کر سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ پھر
بولا: ”ہائے غضب ہو گیا، مجھے تو پہلے ہی ڈر تھا کہ
مکان مُفت دینے میں لومڑی کوئی چال چل رہی ہے،
وہ ہر دوسرے تیسرے اسی طرح مجھ سے بطنیں اور
اندھے لے جاتی رہی اور چالاکی تو دیکھو سٹیک اُس وقت
آتی تھی جب تمھاری سونے کی باری ہوتی۔“
خیرو نے کہا: ”چلو اچھا ہوا۔ جلدی معلوم ہو گیا۔ اب

نے ہم اسے کوئی چیز قرض نہیں دیں گے۔ مگر بیرم
میں ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں یہ مٹھائی کے مرتبان
کیسے خالی ہو گئے؟“

بیرم نے کہا: ”مٹھائی تو میں نے دو چار دفعہ بچاری
چوہیا کو تھوڑی تھوڑی مفت دے دی تھی۔ اُس غریب
کے پاس تو دام دینے کو ایک پیسہ بھی نہیں تھا۔“
خیرو نے کہا: ”خیر اس میں کیا حرج ہے غریب
دوست کی مدد ضرور کرنا چاہئے۔“

اس کے بعد اوپر طاق میں رکھی ہوئی چیزوں کی
باری آئی۔ تو خیرو نے کہا: ”بیرم تم مجھ سے بے ہو،
ذرا مرتبان کھول کر دیکھنا۔ شہد تو ہم نے بیچا ہی نہیں،

سب مرتبان بھرے رکھے ہوں گے“ بیرم نے ایک مرتبان نیچے اُتارا تو آدھے سے زیادہ خالی تھا دوسرا دیکھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے مرتبان میں پنچے ڈال کر شہد نکالا ہے۔

خیرو نے کہا: ”بڑی اچنبھے کی بات ہے۔ شہد گیا تو کہاں گیا؟“

بیرم نے کہا: ”مجھے خود حیرت ہے، کیوں کہ ایک آدھ دفعہ ایک دو چھپیاں میں نے کھائی ہوں تو کھائی ہوں، اس سے زیادہ تو مجھے یاد نہیں“ خیرو کو بیرم کی بات سن کر بہت ہنسی آئی اور بیرم بھی کچھ جھینپ کر مسکرانے لگا۔ خیرو نے کہا: ”بیرم میرا خیال ہے کہ ہم اس دکان

کو ختم کر دیں باقی بچا ہوا شہد تم کھاؤ اور ترکاریاں میں
کھائے لیتا ہوں“

بیرم خوش ہو کر بولا: ”ہاں بہت اچھا خیال ہے
کیوں کہ بھئی کام بہت کرنا پڑتا ہے اور تمام دن خریدار
اپنے جوتوں کے ساتھ ڈھیروں مٹی دکان میں لاتے ہیں
جس کی وجہ سے تم کو دو تین دفعہ جھاڑو دینا پڑتی
ہے۔ اور اگر صبح کے وقت دکان کھلنے میں صرف دو
تین گھنٹے کی دیر ہو جائے تو خریداروں کی بُری بھلی
باتیں سُنا پڑتی ہیں“

خیرو نے کہا: ”ایک بات سوچنے کی ہے۔ جب ہمارے
دوست پوچھیں گے کہ دکان کیوں بند کر دی تو کیا

جواب دیں گے ؟

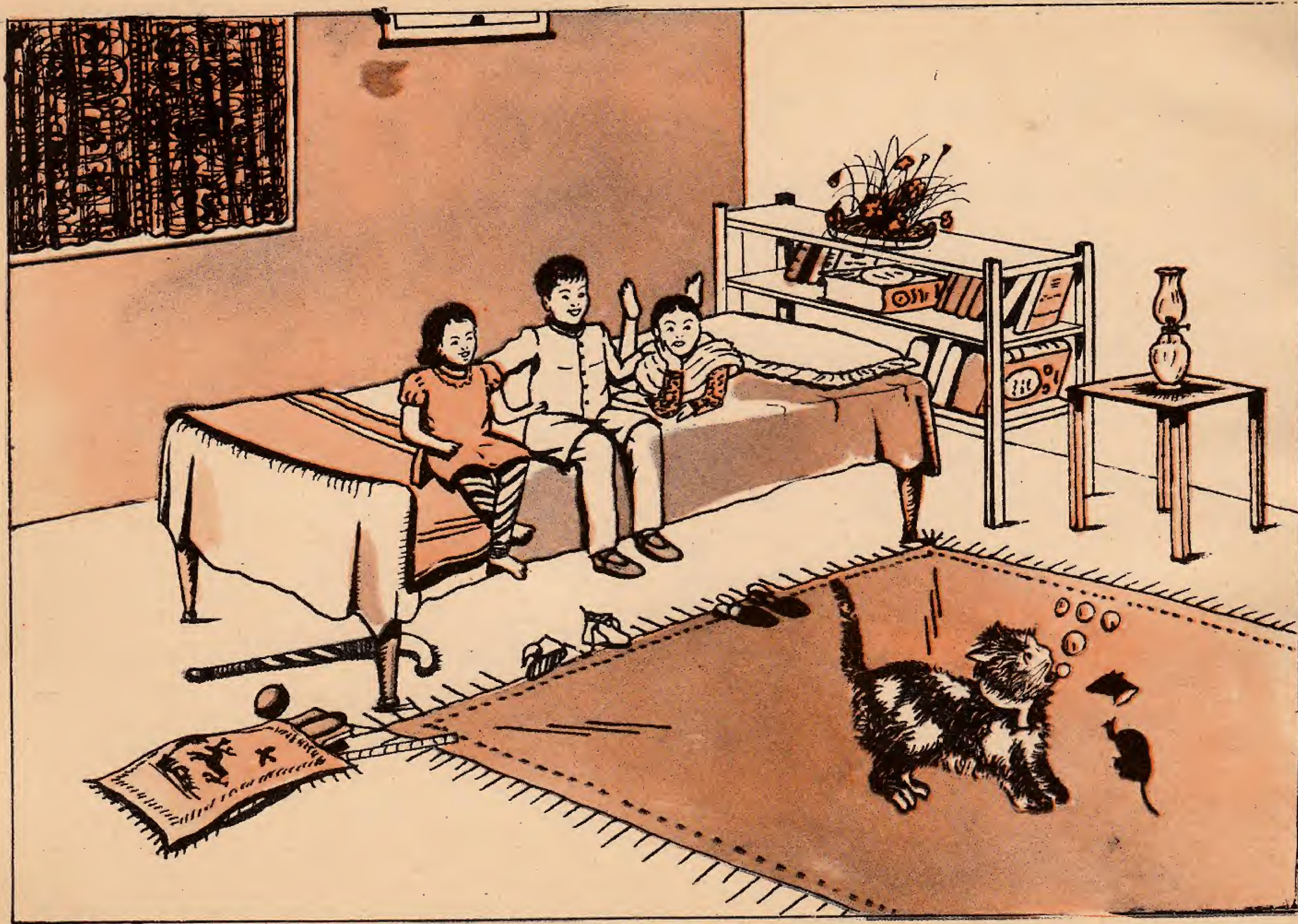
بیرم نے کہا : ”کہہ دیں گے کہ جتنے روپے کمانا تھے
کما لئے ، زیادہ دوسری کیوں مول لیتے ، اس لئے دکان
بند کر دی“

بس پھر کیا تھا ۔ خیر و سبزیوں پر ٹوٹ پڑا اور
بیرم نے ذرا سی دیر میں سارے شہد کا صفایا کر دیا۔
دو چار گھنٹے کے اندر ہی دکان ختم ہو گئی اور بیرم
اور خیر و ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے سیٹی بجاتے اُچھلتے
کو دتے لومڑی کو چابی واپس دینے کے لئے اس کے
گھر کی طرف روانہ ہو گئے ۔

مُنّی کی مانو

مُنّی کو بلیوں سے بہت پیار تھا - دو ایک بلیاں
اُس کے گھر میں ہمیشہ رہتی تھیں - کچھ دن ہوئے مُنّی
کی چھوپی اماں کے ہاں اُن کی بلی نے بڑے پیارے
پیارے پانچ بچے دیے - دو بھورے اور تین لال - جب
بچے ذرا بڑے ہو گئے تو چھوپی اماں نے ایک بھورا
اور ایک لال بچہ مُنّی کو بھجوا دیا - بس پھر کیا تھا، مُنّی
کی عید ہو گئی - سارا سارا دن اُن کو گود میں دبوچے پھرتی
بھورے بچے کا نام رکھا سُندری اور لال کا مُندری۔

یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ انسان کے بچوں کی
 طرح بلی کے بچوں میں بھی کوئی نیک ہوتا ہے اور کوئی
 شریر۔ سُندری بہت نیک نکلی۔ مگر مُندری بالکل شیطان
 کی خالہ تھی۔ ہر کھانے کی چیز پہ نیت خراب، ہر سلائی
 کی چیز کی شامت۔ اگر مُمّی کی امی مشین پر سینے بیٹھتیں
 تو یہ بھی مشین کی ہتھی کے پاس مُسلط ہو جاتی اور امی
 کے ساتھ ساتھ پنچے سے ہتھی گھمانے کی کوشش کرتی۔
 مشین کے پاس سلائی کے کپڑوں کے ڈھیر میں خوب
 خوب آنکھ مچولی کھیلتی اور جی بھر کے لوٹ لگاتی۔ غرض
 اس نے سب گھر والوں کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔
 تم یہ پوچھو گے کہ مُمّی کی امی نے اتنی شریر بلی کو

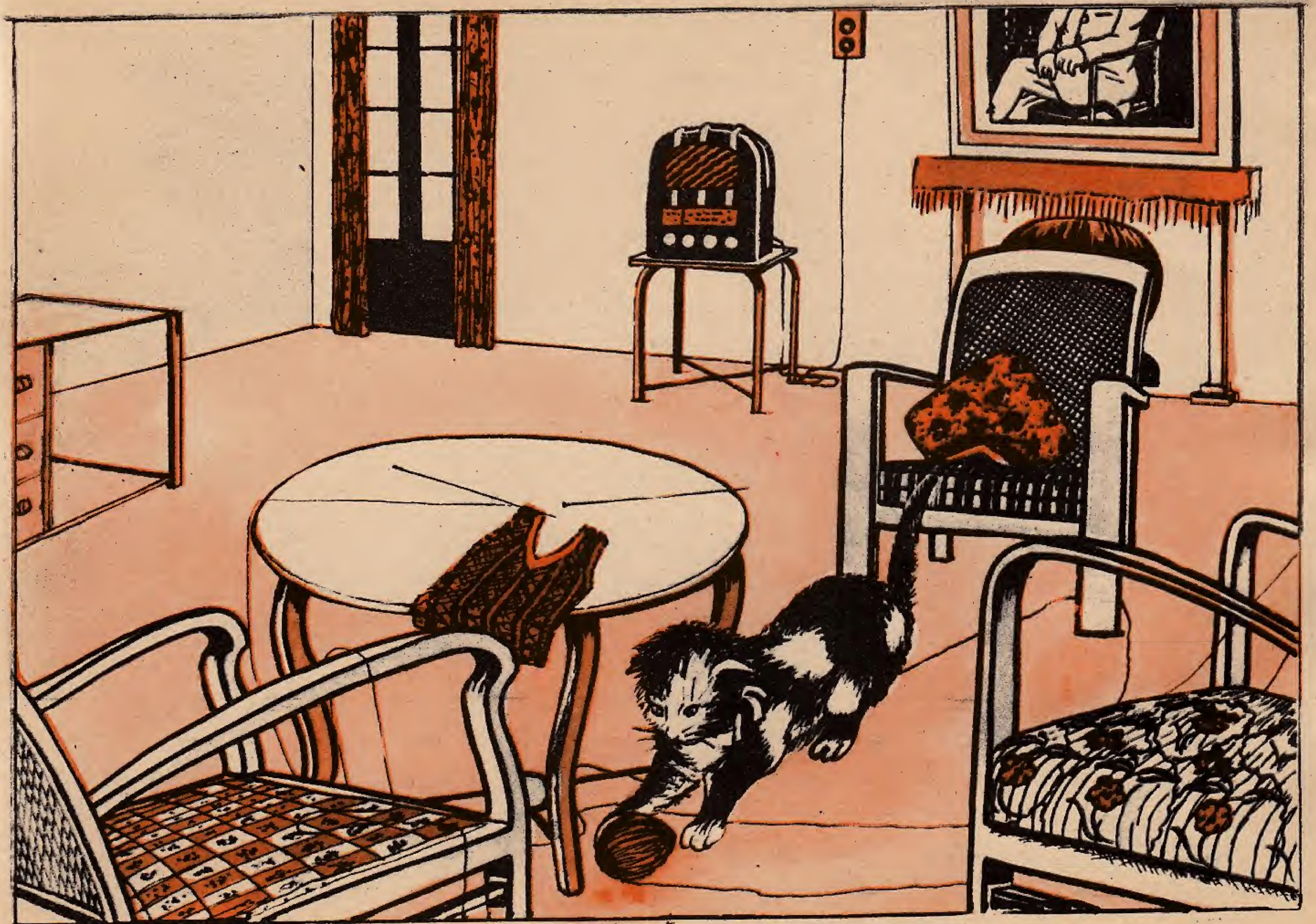


لھر سے نکال کیوں نہ دیا، اصل میں بات یہ تھی کہ مُندری
 بہت عَجَبت کی بَٹی تھی، جہاں کسی نے اسے گود میں اُٹھایا
 وہ اس پیاری طرح خُر خُر کرتی کہ آدمی کا جی چاہتا کہ
 اسے دل میں بٹھالے اور شرارت کرنے پر جب ڈانٹ
 پڑتی تو وہ فوراً اس طرح لیٹ جاتی گویا کہہ رہی ہے
 ”مجھے معاف کر دو اب ایسا نہیں کروں گی۔“ مگر اس تو بہ
 کے ایک ہی منٹ بعد اگر اُون کا گولا یا ایسی ہی
 کوئی اور چیز نظر پڑ جاتی تو مُندری ایک دم لپک کر
 پہنچتی، پہلے تو گولے سے ہوئے ہوئے کھیلنا شروع کرتی
 مگر چند ہی منٹ میں اُسے اپنے پر قابو نہ رہتا اور
 رفتہ رفتہ اُون سارے کمرے کے فرش پر، میز کی ٹانگوں

کے گرد اور گرسیوں کے چاروں طرف پٹ جاتا اور ہزاروں
اُبھٹے پڑ کر گولا ختم ہو جاتا۔

مُندری جب کبھی ایسی اُلٹی سیدی حرکتیں کرتی تو مُندری
اُسے ہمیشہ ٹوکا کرتی ”مُندری آخر تمہیں ہو کیا جاتا ہے۔
تُم کیوں بی مُنٹی اور اُن کی امی کو تنگ کرتی رہتی ہو
تمہیں شرم نہیں آتی۔ آخر لے دے کر دنیا میں کیا یہی
کھیل رہ گئے ہیں کہ تُم میز پوش کے کونے سے ٹٹک
جاؤ یا اُون کا سٹیاناس کر دو۔ تُم باورچی خانے میں یا
گودام میں جا کر چوہیاں کیوں نہیں پکڑتیں؟“

یہ سُن کر مُندری ٹٹک کر جواب دیتی ”بڑی آئیں
کہیں سے اُستانی بن کر نصیحت کرنے۔ تمہیں کیا خبر اُون



سے کھیلنے میں کتنا مزا آتا ہے۔ جب میں میز پوش کے
 کونے سے لٹک کر جھولتی ہوں تو بس یہ معلوم ہوتا
 ہے جیسے بی منی اپنے جھولے میں بیٹھی جھول رہی ہیں
 تم تو بڑھیا ہو بڑھیا۔ پرسوں اتفاق سے ایک چوہیا کیا
 ہاتھ لگ گئی تھی کہ بس اپنے کو تیس مار خاں سمجھنے لگیں
 سندری جل کر بولی: ”جی ہاں! ہاتھ ہی تو لگ گئی
 تھی۔ یہ کیوں نہیں کہتیں کہ چوہیا نے میرے پاس آن کر
 کہا تھا کہ بی سندری ہمیں پکڑ لو۔ تمہیں کیا خبر چوہیا پکڑنے
 میں کس قدر ہوشیاری سے کام لینا پڑتا ہے۔ جہاں
 چوہیا کی صورت دیکھی فوراً تاک لگائی اور اُس کی نظر
 بچا کر اُس پر بجلی کی طرح ٹوٹ پڑے۔“

”بس رہنے دو، بہت شیخی نہ بگھا رو۔ جب میں بڑی
ہو جاؤں گی تو ایک ایک دن میں سو سو چوہیاں پکڑا
کروں گی“ مُندری نے جواب دیا۔

غرض کہ مُندری کو یقین تھا کہ مُندری کبھی تمیزدار
بلی نہیں بن سکتی، چاہے وہ اسے سمجھا سمجھا کر بڑھیا
ہو جائے۔

ایک دن صبح صبح مٹی ہاتھ مُنڈ دھو کر ناشتہ کرنے
نیچے آئیں۔ دسترخوان پر بیٹھنے سے پہلے اُنھوں نے دونوں
پلیوں کو گود میں لے لیا۔ اور بولیں ”آج پانی پت سے
ہماری خالہ جان آئیں گی۔ وہ اپنے ساتھ وہاں کی بالائی
اوز پیڑے لائیں گی۔ میں بھی کھاؤں گی، مُندری، مُندری

کو بھی کھلاؤں گی۔ بالائی کا نام سن کر دونوں بلیاں بہت
 خوش ہوئیں اور زور زور سے خرخر کرنے لگیں۔
 کوئی نو ساڑھے نو کا وقت ہوگا کہ مٹی کی خالہ جان
 آن کر اتریں۔ سب سے ملنے کے بعد انھوں نے ایک بڑی
 سی ٹوکری کھولی اور اُس میں سے تین ہنڈیاں نکالیں۔
 پہلی ہنڈیا میں پانی پت کی مشہور بالائی تھی۔ دوسری میں
 سفید سفید پیڑے اور تیسری میں رینڈیاں۔ مٹی بولی ”افوہ!“
 خالہ جان آپ تو اب کی دفعہ بہت سی چیزیں لائی ہیں“
 خالہ جان بولیں ”ہاں بی بی اس لیے زیادہ لائی ہوں
 کہ تمھاری امی اور تم اپنی سہیلیوں کے ہاں بھی بھیج سکو۔“
 مٹی کی امی نے تینوں ہنڈیاں لے کر وہیں نعمت

خانے پر رکھ دیں اور خود کسی کام سے چلی گئیں۔ خالہ
جان غسل خانے میں جا کر نہانے لگیں۔ اتنے میں بی مُنٹی
کے ماسٹر صاحب آگئے اور وہ پڑھائی میں لگ گئیں۔
مُندری اور مُندری دونوں وہیں بیٹھی رہیں۔ مُندری بولی
”میں تم سے نہ کہتی تھی کہ مجھے خالہ جان بالکل اچھی نہیں
لگتیں۔ اتنا بھی تو نہ ہوا کہ ہمیں پیار ہی کر لیتیں۔ یا یہی
کہہ دیتیں کہ بہت سی بالائی اور پیڑے اس لیے لائی
ہوں کہ تمہاری بلیاں جی بھر کر کھالیں۔“

مُندری بولی: ”مُندری تم بہت ہی بدتمیز ہو۔ آخر
وہ آتے ہی تمہیں پیار کیوں کرنے لگتیں؟ وہ تو کچھ روز
رہنے آئی ہیں کسی وقت بلا کر پیار کر لیں گی۔ اور رہا

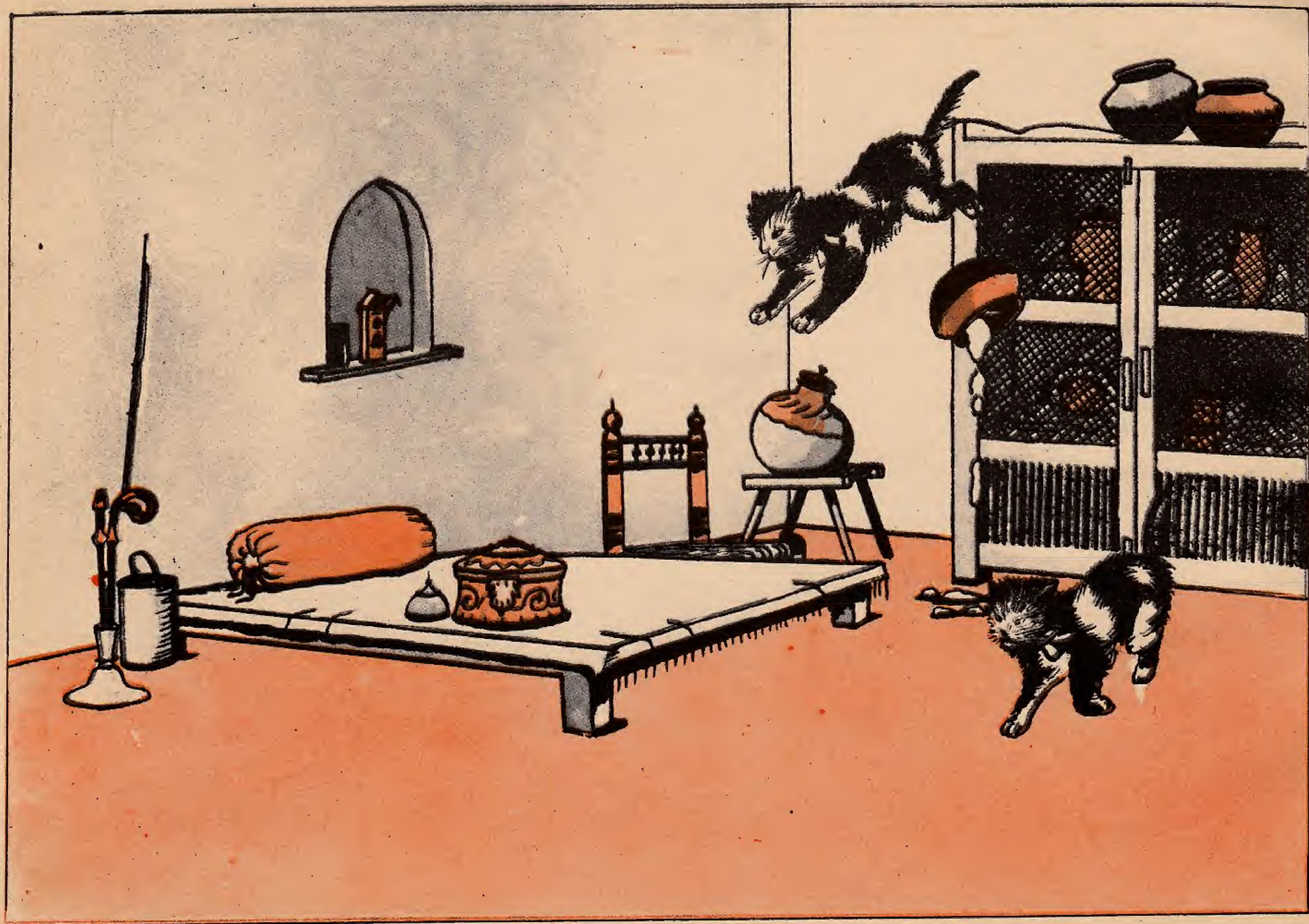
بالائی اور پیڑوں کا حصہ تو بی مُنٹی خود چاہے نہ کھائیں
ہمیں ضرور دیں گی“

مُندری نے کہا: ”تُم چاہتے کچھ ہی، کہو میں تو جب
تک اپنی آنکھ سے نہ دیکھ لوں گی کہ ہنڈیا میں کتنی
بالائی ہے، چین نہ لوں گی۔ تُم ذرا کی ذرا یہیں کھڑی
رہو میں نعمت خانے پر چڑھ کر ابھی ایک منٹ میں
دیکھ آتی ہوں“

مُندری ابھی کچھ کہنے بھی نہ پائی تھی کہ مُندری
نعمت خانے پر چڑھ بالائی کی ہنڈیا پر نازل ہو گئی۔
اور پنچے سے ایک کنارے کو نیچا کر کے دیکھنے لگی کہ
اس میں کتنی بالائی ہے۔ بالائی کی ہنڈیا پہلے ہی کچھ

ٹیڑھی رکھی تھی مُندری کے چھوٹے ہی دھم سے زمین پر
 آ رہی اور ساری بالائی فرش پر پھیل گئی۔ مُندری جو پاس
 ہی کھڑی تھی بالائی میں بالکل لٹھ پتھ ہو گئی۔ ہنڈیا کے
 ٹوٹنے کی آواز پہنچی تو سب گھر والے دوڑے دوڑے
 آئے کہ دیکھیں یہ کیا آفت ہے۔ وہاں پہنچے تو
 پلیوں کا کہیں نشان تک نہ تھا اور بالائی زمین پر
 گری پڑی تھی۔ سب فوراً سمجھ گئے کہ ہو نہ ہو یہ
 مُندری کی کرتوت ہے۔ اب مُندری کی ڈھنڈیا پڑی مگر
 مُندری مُندری دونوں وہاں سے غائب ہو گودام میں
 دبک کر بیٹھ گئیں۔

مُندری نے کہا: ”مُندری مجھے خدا غارت کرے، بھلا



لالائی کی ہنڈیا کو پنخہ لگانے کی کیا ضرورت تھی۔“
سُندری بولی: ”مجھے کیا خبر تھی کہ خالہ جان اس
قدر عقل مند ہیں کہ گول پینڈے کی ہنڈیا میں بالائی
لائیں گی۔“

سُندری بولی: ”واہ! سیدھے پینڈے کی بھی کبھی ہنڈیا
ہوتی ہے۔“

سُندری نے کہا: ”اگر نہیں ہوتی تو بالائی کنستر میں
لالائی ہوتیں۔ غلطی خالہ جان کی اور سزا پاؤں میں۔
لیکن اگر سزا مجھے بھگتنا پڑی تو دیکھنا میں ان سے
کیسا بدلہ لیتی ہوں۔“

”چپ رہو!“ سُندری بولی۔ ”بھلا تم کیا کر سکتی ہو، اُن کا؟“

مُندری نے کہا: ”کرکیوں نہیں سکتی؟ میں ان کے
اون کے گولے میں اس قدر اُبھٹے ڈال دوں گی
کہ وہ عمر بھر یاد کریں گی۔“

مُندری عاجز ہو کر بولی: ”خیر تم سے کون سوال
جواب کرے۔ تمھاری تو اوندھی کھوپڑی ہے۔“

مُندری نے کہا: ”تمھیں کیا جیسی بھی ہے ہماری ہے
اور اچھی ہے۔ ہم تو باغ میں جاتے ہیں وہاں جا کر
ہم شیر شیر کھیلیں گے۔“

یہ کہہ کر مُندری باغ میں جا پہنچیں اور جھاڑیوں کے
پاس شیر کی طرح اکڑ کر آہستہ آہستہ چلنے لگیں۔ قریب
تھا کہ شیر کی طرح چنگھاڑیں لگتیں کہ ساتھ کی کوٹھی

سے میاں احمد کا گٹھا ، موتی بھوں بھوں کرتا ان کے
 سر پر آ نازل ہوا۔ یہ اپنی ساری شیریں دھیری بھول
 درخت پر چڑھ گئیں اور لگیں میاؤں میاؤں کرنے۔
 گٹے کے بھونکنے کی آواز سن کر مٹنی سمجھ گئیں کہ
 موتی نے کسی بلی کو گھیر لیا ہے اور چند منٹ میں
 پھاڑ ڈالے گا۔ فوراً بھاگی ہوئی آئیں۔ گٹے کو مار کر
 احاطے سے باہر نکال دیا اور درخت پر سے مُندری کو
 اُتار کر سینے سے لپٹائے ہوئے اندر گھر میں لے گئیں
 اور امی سے کہنے لگیں ”دیکھو اماں احمد کا گٹھا وقت
 بے وقت میری بلیوں کے سر ہوتا رہتا ہے۔ اگر
 میں نہ جاتی تو بچاری مُندری کی تیکا بوٹی کر دیتا“

امی بولیں: ”ہاں بی بی بہت ہی بُرا گُٹا ہے میں احمد
کی امی سے کہلوا دوں گی کہ اُسے بندھوا کر رکھا کریں!“
مُندری نے جب یہ سنا تو زور زور سے خرخر
کرنے لگی اور بالائی کی واردات اسی قصے میں آئی گئی
ہو گئی۔

آٹھ دس دن کے بعد جب خالہ جان پانی پت
واپس جانے لگیں تو مُنٹی کی امی سے بولیں: ”باہی بڑے
دنوں کی چُھٹیوں میں آپ اور مُنٹی پانی پت ضرور آئیے گا
بڑا نطف رہے گا“ مُنٹی پاس ہی کھڑی تھیں۔ کہنے لگیں: ”خالہ
جان دسمبر کی پچیس تاریخ کو ہم مُندری اور مُندری کی
سال گرہ منائیں گے اور ایک پارٹی کریں گے۔ اگر آپ

اجازت دیں تو میں ان کو بھی ساتھ لیتی آؤں۔ ان کی
 سال گرہ کی پارٹی ہم پانی پت ہی میں کر دیں گے۔
 خالہ بولیں: ”ہاں ضرور لانا۔ اچھا ہے، میرے گھر میں
 چوہیاں بھی بہت ہو گئی ہیں۔ یہ دونوں بل کر اُن کا پاپ
 کاٹ دیں گی“ بس پھر کیا تھا۔ مُنٹی، اس کی امی اور
 دونوں بلیوں کا پانی پت جانا طے ہو گیا۔
 مُنٹی کی بڑے دن کی چھٹیاں سترہ دسمبر سے شروع
 ہوتیں اور اُسی روز سے پانی پت جانے کی تیاری ہونے
 لگی۔ بیس دسمبر کی صبح کو مُنٹی اور اُس کی اماں اور
 سُندری سُندری پانی پت پہنچ گئیں۔ اور اُسی دن بلیوں
 کی سال گرہ کا انتظام شروع ہو گیا۔ مُنٹی کا خالہ زاد

بھائی ہارون بھی بڑے شوق سے بھاگ بھاگ کر کام
 کرنے لگا اور مٹنی کی خالہ زاد بہن جو عمر میں مٹنی
 کے برابر ہی تھی کمرے وغیرہ کی صفائی میں لگ گئیں۔
 خدا خدا کر کے پچیس تاریخ آئی۔ مٹنی نے اپنے بکس
 میں سے سُرخ رنگ کے بڑے خوب صورت ریشمی
 فیتے نکال کر دونوں بلیوں کے گلے میں باندھ دیے
 اور پارٹی کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ جتنے مہمان آئے
 وہ سُندری سُندری کے لیے اچھی اچھی مٹھائیاں ساتھ لاتے۔
 جب دسترخوان بچھا تو دونوں بلیوں کے لیے ایک
 طرف کو دو تشتریوں میں پانی پت کی عمدہ بالائی رکھی
 گئی اور چائے شروع ہوئی سب لوگ خوب مزے

لے لے کر مٹھائیاں کھانے لگے اور مُندری مُندری بھی
 خرخر کرتی اور بالائی کھاتی جاتی تھیں۔ سب مہمان ان
 بلیوں کی تعریف کر رہے تھے کہ کس قدر تمیز دار
 ہیں۔ اور کیسی صاف سُستری طرح بالائی کھا رہی ہیں۔
 جب پارٹی ختم ہوئی تو کھیل شروع ہوئے۔ پہلے
 تو بچوں نے آنکھ مچولی کھیلی۔ پھر چوہے بتی کا کھیل ہوا۔
 جب بچے بھاگ دوڑ کر تھک گئے تو سب ایک کمرے
 میں جمع ہوئے تاکہ آرام سے بیٹھ کر گڑیوں کا کھیل
 کھیلیں۔ اتنے میں مُندری اور مُندری بھی وہیں آ پہنچیں،
 سب نے انھیں باری باری گود میں لے کر پیار کرنا
 شروع کیا۔

ممتی بولیں : ”آؤ ان بلیوں کو اپنی گڑیوں کے کپڑے
 اتار کر پہنائیں پھر دیکھنا کیسی اچھی لگیں گی“
 ممتی اور اُس کی بہن نے بل کر دونوں بلیوں کو
 اپنی اپنی گڑیوں کے نئے کارچوبی لہنگے اور کرتے پہنا کر
 دوپٹے اڑھا دیے۔ بلیوں کو شیر بننے کا شوق تو ہوتا ہی ہے
 مگر گڑیاں بن کر بیٹھنا انہیں بالکل اچھا نہیں لگتا۔ سُندری
 تو تھوڑی در میاؤں میاؤں کر کے چپ ہو گئی مگر مُندری کپڑے
 پہنتے ہی ممتی کے ہاتھ میں سے مکمل یہ جا وہ جا۔ باغ
 میں پہنچ کیاری میں گھس گئی اور پل بھر میں سارا لہنگا
 کیچڑ میں لتھ پتھ کر دیوار پر چڑھ گئی۔
 ممتی اپنی گڑیا کے لہنگے کی یہ گت بنتی دیکھ کر رونے

مٹی۔ اس پر اُس کی امی بجائے مُندری کو بُرا بھلا کہنے
 کے اُٹا مُنٹی ہی کو ڈانٹنے لگیں: ”جب دیکھو اُٹے اُٹے
 کھیل، جب دیکھو انوکھے شوق۔ بھلا تم سے کس نے
 کہا تھا کہ گڑیا کا نیا لہنگا بلی کو پہنا دو۔ بھلا بلیاں
 بھی کہیں کپڑے پہنتی ہیں؟ ذرا دیکھو تو اس نے لہنگے
 کی کیا گت بنائی ہے؟“ مُنٹی نے ڈانٹ سُنی تو اور
 پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ ہارون بہن کو یوں روتے
 دیکھ کر فوراً بلی کو اُتارنے دیوار پر چڑھ گیا مگر جب
 ہارون نے مُندری کو پکڑا تو اُس نے اس زور کا
 پنجہ مارا کہ اُس غریب کا ہاتھ لہو لوہان ہو گیا۔ ہارون
 نے اس وقت تو مُندری سے کچھ نہیں کہا مگر بدلہ لینے

کا موقع ڈھونڈتا رہا۔ جب شام کے وقت سب مہمان
 جا چکے اور مُندری اور سُندری ایک جگہ بیٹھی تھیں تو
 سُندری نے کہا: ”شرم تو نہیں آتی ہوگی تجھے کہ اوّل تو
 گڑیا کا نیا کارچوبی لہنگا غارت کر دیا۔ اس پر بی مٹی پر
 ڈانٹ ڈلوائی اور پھر ہارون میاں کے پنجہ مارا۔ دیکھنا
 تو سہی ہارون کیسی خبر لیں گے تمہاری“
 سُندری اپنے کیے پر بہت پچھتائی اور شرمندگی کو
 دور کرنے کے لیے اس نے طے کر لیا کہ خالہ جان کے
 گھر کی سب چوہیاں مار ڈالے۔ بس دو تین ہی روز میں
 ہر طرف سُندری کی تعریفیں ہونے لگیں۔ اور سُندری تھی
 کہ سن سن کر پھولی نہ سماتی تھی۔ مگر ہارون میاں اب بھی



موقع کی تلاش میں تھے کہ اسے نوچنے کا مزا چکھائیں۔
 ایک دن صبح سویرے جب مُندری کو سخت بھوک
 لگ رہی تھی تو ہارون کمرے میں آئے اور ایک
 صابن کی چوہیا جس پر خوب کونین مل رکھی تھی لا کر
 چپکے سے فرش پر رکھ دی۔ بی مُندری جو خالہ جان کے
 یہاں روز چوہیاں پکڑ پکڑ کر اپنے آپ کو بہت بڑا شکاری
 سمجھنے لگی تھیں فوراً اُس پر لپکیں اور اپنے تیز تیز دانت
 پورے زور سے اُس میں گاڑ دیے۔ بس پھر کیا تھا،
 سب بچے ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ گئے۔ تمام صابن
 مُندری کے دانتوں میں پھنس گیا اور سارا مُنہ اس قدر
 کڑوا ہو گیا کہ گھنٹوں میاؤں کرتی پھری۔ اُس روز

سے مُندری نے عہد کر لیا کہ میں پھر کبھی کسی بچے کے پنجہ
نہ ماروں گی۔ مگر اس کی دوسری شرارتیں اب بھی ویسی
کی ویسی ہی ہیں اور بچاری مُندری اسے ہمیشہ سمجھاتی
رہتی ہے۔ شاید مُندری اپنی اگلی سال گرہ تک کچھ نیک
بن جائے۔

